انفاق مال یتیم عصری تحدیات کی روشنی میں

An Analysis of the Rules regarding Orphan's Wealth spending: A Modern Perspective on Orphan's wealth spending

Abdul Waheed Asad
PhD Scholar Punjab University Lahore
Lecturer Islamiyat Government Associate College Kallur Kot Distt. Bhakker
Email: asadwaheedpak@gmail.com

Muhammad Danish
Lecture Islamiyat
Kips College Main Campus Johar Town Lahore
Email: muhammaddanish2109@gmail.com

Zameer Ahmad
M Phil scholar
Minhaj university Lahore
Email: zameer90100@gmail.com

Abstract

Islam is a religion of benevolence which seeks the well-being of all humanity. Where Islam has defined the rights of other people, it has also defined the rights of those who have lost the love and compassion of their father or mother. It has formally determined their rights. Islam determines their financial and life rights. By determining the head for him. It has explained some rules for him so that his property and life can be protected. A financial orphan requires a lot of caution. In this article, some important principles regarding a financial orphan and his guardian will be explained.

یہ مقالہ مال یتیم کے انفاق کے بارے میں ہے۔اس مقالہ میں یتیم کا سرپرست کون ہو گا؟ کیا سرپرست کو قانونی حیثیت ملی ہے یا نہیں؟ یتیم کے مال کو اپنی ذاتی منفعت کے لیے یا اس کے فائدے کے لیے انویسٹ کرنا کیسا ہے؟ ان موضوعات کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ چند ایک ایسے اداروں کا تعارف بھی کروا گیا ہے جو یتیموں کی کفالت کرتے ہیں اور سرپرست کی شرط تو لگاتے ہیں لیکن اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں کہ وہ مال یتیم کو کیسے خرچ کرتے ہیں۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ

مال یتیم خرچ کرنے کے بارے میں کچھ کتب، مقالہ جات اور آرٹیکلز موجود ہیں جیسا کہ ایک عربی کتاب "الافادہ من مال الیتیم فی عقود المعاوضات والتبرعات"، خالد بن علی بن محمد بن حمود، الجامعه الاسلامیه، مدینه منوره، 357صفحہ۔ اس کتاب میں مصنف نے یتیم کے مال کو مالی معاوضہ میں کہاں کہاں

استعمال کیا جا سکتا ہے بالخصوص تبرع کے طور پر یا کسی مالی معاوضہ کے تبادلے میں شرعی احکام دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ درج ذیل مقالہ جات بھی موجود ہیں۔

یتیم کی کفالت کے شرعی احکام اور عصری ادارے۔ ایک تحقیقی مقالہ، مقالہ نگار عائشہ یٰسین، نگران مقالہ ڈاکٹر طاہرہ بشارت، ایم اے، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ اس مقالہ میں یتیم کی کفالت کی اہمیت شرعی اعتبار سے اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور چند ایک ادارے جیسے آغوش وغیرہ کا تعارف اور طریقہ کار بتایا گیا ہے۔

پاکستان میں یتیموں کی کفالت اور وراثت کے سماجی و قانونی مسائل اور اسلامی تعلیمات، مقالہ نگار روبینہ کوثر، نگران مقالہ نبیلہ فلک، ایم فل، یونیورسٹی آف لاہور۔ اس مقالہ میں معاشرے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے درج ذیل آرٹیکل بھی موجود ہے: یتیم کے مالی اور معاشرتی حقوق (فقہ اسلامی کی روشنی میں)، ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری۔ ڈاکٹر محمد ارشد، ایکٹا اسلامیک، 1.2020,vol.8,no

جواز موضوع:

درج ذیل کتب، مقالہ جات اور مقالہ جات اگرچہ یتیم کے موضوع پر ہیں اور ایک گونہ تعلق ان کا مالی معاملات کے ساتھ بھی ہے لیکن جو نکتہ یہاں اٹھایا جا رہا ہے کہ یتیم کے مال کو سرپرست کتنی حد تک استعمال کر سکتا ہے اور سرپرست کی خود اپنی کیا حیثیت ہو گی؟ اس باب میں ضرورت موجود تھی کہ اس پر لکھا جائے اس لیے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ابتدائیہ:

اسلام کو اپنے ابتدائی ایام میں معاشرے کے جن سنگین مسائل کو حل کرنے کی طرف متوجہ ہونا پڑا ان میں ایسے یتیم بچوں کا مسئلہ سر فہرست تھا جنہیں ابتدائے زندگی میں ہی سایہ پدری سے محروم ہونا پڑا تھا۔ ایسے بچوں کو اپنے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے بد سلوکی اور جور و ستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا، جو عموماً دو طرح کا ہوتا تھا۔ پہلے نمبر پر پدری میراث سے محرومی اور دوسرے نمبر پر سلوک کرنے میں بے مروتی اور بے اعتنائی سر فہرست ہیں۔ اسلام نے اپنی آمد کے ساتھ ہی لوگوں کے رویوں میں مثبت تبدیلی کی لہر چلا دی جس کی وجہ سے یتیموں پر ظلم و ستم کی جو آندھی چلی ہوئی تھی وہ چھٹ گئی۔

یتیم (ج: یتامی، ایتام ویتمہ) لغوی معنی اکیلے رہ جانے یا غفلت برتنے کے ہیں۔ اس بنا پر یتیم (اسم صفت) کے معنی یا تو تنہا رہ جانے والے کے ہیں یا ایسے شخص کے ہیں جس سے غفلت برتی جاتی ہو۔ جبکہ اصطلاحی طور پر یتیم اس لڑکے یا لڑکی کو کہا جاتا ہے جو بچپن میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو جائے[1]۔

عام طور پر یتیمی بلوغ کے بعد ختم ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اکرم، شفیع معظم، خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ
"لا یتم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل[2]
یعنی بلوغ کے بعد یتیمی ختم ہو جاتی ہے اور رات تک چپ رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ بالغ افراد پر اس کا اطلاق مجازی ہوتا ہے۔

سرپرست کون ہو گا؟

اسلام معاشرے کا دین ہے۔ اور اس نے اپنے ماننے والے کو معاشرتی اقدار سے روشناس کروانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑا۔ اسلام نے معاشرے کے کمزور طبقات کی بہتری اور امداد کے لیے تکافل کا اجتماعی نظام قائم کیا ہے۔ جس میں افراد خانہ سے لیکر حکومت وقت کو ذمہ داری دی گئی ہے جس سے افراد معاشرہ کے درمیان اتحاد و یگانگت کی فضا قائم و برقرار رہتی ہے۔ یتیم کی سرپرستی کے لیے اسلام نے کوئی لگا بندھا اصول نہیں دیا بلکہ حالات و واقعات کی روشنی میں اس کا فیصلہ ارباب دانش و بینش اور یتیم کے قریبی رشتہ داروں اور خیال رکھنے والے دوستوں پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر یتیم کا دادا موجود ہو تو سرپرست وہی بنے گا اور اس کی موجودگی میں کسی اور کو سرپرست نہیں بنایا جائے گا۔ جیسا کہ ہمیں رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کی ولادت کے بعد جناب عبد المطلبؓ کا کردار نظر آتا ہے[3]۔ لیکن اگر متوفیٰ نے کسی شخص کو وصیت کی ہوئی ہے تو اس صورتحال میں پہلی ترجیح جس کو وصیت کی گئی ہے اس کو دی جائے گی۔ پھر اگر دادا موجود نا ہو تو پھر پہلی ترجیح چچا کو دی جائے گی جیسا کہ جناب رسالتمآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "عن ابی ھریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:العباس عم رسول اللہ ،وان عم الرجل صنو ابیہ"[4]
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عباس ان کے چچا ہیں اور چچا باپ کی جگہ ہوتا ہے۔
اگر ناگزیر صورتحال کی وجہ سے دادا اور چچا یہ ذمہ داری نہیں لیتے تو پھر یہ ذمہ داری قریبی محرم رشتہ داروں کی طرف پھیری جائے گی۔ جن میں چچازاد بھائی، ماموں، خالہ اور دیگر ذی محرم رشتہ دار شامل ہیں جن کی تفصیل ہمیں کتب فقہ میں مل جاتی ہے جیسا کہ علامہ برہان الدین مرغینانی کی کتاب الھدایہ میں کتاب الاولیاء کی ولی اقرب کی بحث قابل التفات ہے۔ اگر خونی رشتہ داروں میں کوئی ایسا بندہ موجود نہیں ہے جو اس بات پر راضی ہو کہ اسے کسی یتیم کا سرپرست بنایا جائے تو پھر متوفی کے غیر قریبی دوستوں یا معاشرے کی فکر کرنے والے افراد میں سے کوئی بھی فرد یہ فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی بھی شخص اس اہم معاملے کو قبول کرنے سے انکار دے تو پھر حکومت وقت کی ذمہ داری ہے چاہے تو اپنی نگہداشت میں رکھے اور چاہے تو کسی اہل شخص کو اس کی نگہبانی کی ذمہ داری دے دے۔

یتیموں کی کفالت کے ادارے:

اگر دور حاضر کو دیکھا جائے تو بہت سے ایسے ادارے وجود میں آچکے ہیں جہاں یتیم کی کفالت کی جاتی ہے اگرچہ ان کا یتیم کے اثاثہ جات اور دولت کے ساتھ براہ راست تعلق نہیں ہوتا تاہم ان کی سرپرست کے حوالہ سے کچھ شرائط ہوتی ہیں جس کے لحاظ سے وہ اپنے ہاں بچوں کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر ہم صرف لاہور شہر کی بات کریں تو یہاں پر درجنوں ایسے ادارے کام کر رہے ہیں جہاں پر یتیم بچوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ جن میں سے دو، تین اداروں کی سرپرست کے حوالہ سے کی گئی گفتگو پیش خدمت ہے۔

1. **saba trust orphan care service**

ان کی لاہور میں چار برانچز کام کر رہی ہیں۔ بچوں اور بچیوں کے لیے الگ الگ کیمپس ہیں۔ 4 سال سے لیکر 10 سال تک کے بچے کو یہ داخل کرتے ہیں۔ سرپرست کے لیے ان کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خونی رشتہ دار ہو، خونی رشتہ دار کے علاوہ یہ سرپرست قبول نہیں کرتے۔[5]

2. **blessed orphan center**

یہ سنٹر نومبر 2019 میں سحر ش پرویز نامی ایک عیسائی خاتون نے بنایا ہے۔ اس میں 4 سال سے 10 سال تک کے بچوں کو داخل کیا جاتا ہے۔ اس وقت اس سنٹر کے ہیڈ نقاش غوری صاحب ہیں اور ان کے زیر سرپرستی 20 یتیم بچوں کی کفالت کی جارہی ہے۔ اس سنٹر میں بچہ داخل کروانے کے لیے سرپرست کا خونی رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہے لیکن ترجیح خونی رشتہ دار کو ہی دی جاتی ہے۔[6]

3. **BIWS(Orphanage)**

بیگم عنایت ویلفئیر سوسائٹی کا قیام 2010 کے شمالی علاقہ جات کے زلزلہ کے بعد محمد اکرم حسین اور مسز آمنہ کلثوم نے 2012 میں کیا۔ اس سنٹر میں 3 سال سے 12 سال کی عمر کے بچوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ اس سنٹر کی اہم بات یہ ہے کہ یہاں پر سرپرست کے لیے خونی رشتہ دار کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کوئی بھی سرپرست کے طور پر بچوں کو داخل کروا سکتا ہے۔[7]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سرپرست کے لیے ابتدا سے لیکر اب تک کوئی لگا بندھا اصول متعارف نہیں کروایا جاسکا اور نا ہی کروایا جاسکتا ہے کیونکہ بعض ناگزیر حالات میں کوئی بھی خونی رشتہ دار ملتا ہی نہیں ہے یا پھر وہ اس بات پر راضی ہی نہیں[8] ہوتا کہ اس کو اتنی بڑی ذمہ داری دی جائے۔

سرپرست کو قانونی صورت ملی یا نہیں؟

سرپرست کو ابتدائے اسلام ہی سے وہی اہمیت دی گئی ہے جو والد کو دی جاتی ہے تمام معاملات اور مسائل میں اسی کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔ البتہ اس بات کا اہتمام اسلام کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ضرور کیا گیا ہے کہ کسی کو بھی کسی کے باپ کی جگہ نہیں دی جا سکتی جیسا کہ قرآن پاک میں منہ بولے بیٹوں کے حوالہ سے صراحت آئی ہے کہ "وما جعل ادعیاکم ابنائکم ذالکم قولکم بافواھکم"8

اللہ نے انہیں تمہارا بیٹا نہیں بنایا یہ تو تمہارے مونہوں کی باتیں ہیں۔ لہذا سرپرست حقیقی والد نہیں بنے گا اور نا ہی اس کی اولاد اس لے پالک پر حرام ٹھہرائی جائے گی تاہم یتیم کے سرپرست کو جتنی مبشرات سنائی گئی ہیں وہ ان سب کا حقدار ضرور ہوگا۔

یتیم کے سرپرست کے لیے چند ہدایات ربانی:

یتیم کا سرپرست بننا جہاں بہت سے اخروی اور دینی فوائد کا موجب ہے وہیں یہ بہت نازک کام بھی ہے اور اس معاملہ میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ چونکہ یتیم اپنا نفع نقصان نہیں سمجھتا اور نا ہی اسے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے بلکہ وہ تو بچہ ہونے کی وجہ سے ہماری راہنمائی اور تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور ایک طرح سے وہ بے بس بھی ہوتا ہے جس کی طرف سے کسی فوری بدلے کا امکان نہیں ہوتا تو انسان اپنے تئیں کچھ بھی کر سکتا ہے اس لیے اس کو حدود و قیود کا پابند بنایا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

ظلم وزیادتی سے پرہیز:

اس ضمن میں پہلا حکم یتیم کے وارثوں کو یہ دیا گیا ہے کہ یتیموں پر ظلم اور زیادتی نا کی جائے۔ چونکہ وہ اپنا بدلہ لینے پر قادر نہیں ہوتے اور نا ہی ان کے پاس کوئی ایسا سہارا ہوتا ہے جو فی الفور ان کی مدد کو پہنچے سوائے اس شخص کے جس نے اسے اپنی پناہ میں لیا ہوا ہے اگر وہی اس کی دلجوئی نہیں کرے گا تو وہ کدھر جائے گا۔ ابتدائی مکی دور میں حکم زیادہ تر اجمالی صورت میں ملتا ہے، مثلا: فاما الیتیم فلا تقھر [9]

یعنی تم یتیم پر ظلم نا کرنا اور اسی طرح یتیم سے بدسلوکی پر اظہار عتاب کیا گیا ہے: فذالک الذی یدع الیتیم[10]

یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو یتیم کو دھکے دیتے ہیں اور اس کے ساتھ بدسلوکی کے مرتکب ہوتے ہیں جو در حقیقت دین کو جھٹلانے والے ہیں۔ ان قرآنی آیات کے علاوہ بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کرنا، زیادتی کرنا یا اس کے مال و دولت کو بری نگاہ سے دیکھنے والوں کے لیے وعیدیں آئی ہیں جیسا کہ رسالت مآب ﷺ نے یتیم کا مال کھانے کو سبع موبقات (سات ہلاک کرنے والی چیزیں) میں شمار کیا ہے۔[11]

یتیم کے مال کو خرچ کرنا:

اگر کسی کو یتیم کی کفالت کرنا پڑے اور یتیم صاحب ثروت ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو آیا سرپرست یا یتیم کی نگہداشت کرنے والا اس میں سے کچھ لے سکتا ہے یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب جاننا ضروری ہے۔ تو قرآن پاک میں یتیم کی سرپرستی کرنے والوں کی دو قسمیں بنائی گئی ہیں اور مال یتیم خرچ کرنے یا نا کرنے کے بارے میں اصولی موقف لوگوں کے سامنے رکھا گیا ہے۔ جو صاحب حثیت ہے اور جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے تو وہ مال یتیم سے ایک دانہ بھی نہیں لے سکتا جبکہ جو محتاج و فقیر ہے وہ اس حد تک کہ اس کا گزارہ ہو تا رہے اور اس کی حاجات اصلیہ پوری ہوتی رہیں مال لے سکتا ہے اس لیے کہ یتیم کا مال ظلماً لینا تباہی و بربادی کا موجب ہے جیسا کہ قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ:

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا[12]

بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

یتیم کا مال کھانے کی دو صورتیں ماضی میں رہی ہیں۔ (الف) یتیموں کی جائیداد پر قبضہ کر لینا۔ قرآن حکیم میں اس فعل شنیع پر سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی ہیں اور اس کی تہدید ماقبل میں دی گئی آیت سے معلوم ہو رہی ہے کہ جو بندہ ظلم اور زیادتی کرتے ہوئے کسی یتیم کا مال کھائے گا وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرے گا۔ (ب) زیادتی کی ایک دوسری صورت یہ تھی کہ یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا جلا کر ہضم کر لیا جاتا تھا یا پھر اچھی (طیب) چیزوں کی جگہ گھٹیا (خبیث) چیزیں واپس کر دی جاتی تھی اس ضمن میں یہ حکم نازل ہوا ہے کہ: ولا تتبدلوالخبیث بالطیب[13] کہ یتیموں کے عمدہ اور پاکیزہ مال کو اپنے ناقص مال سے نا بدلو اور نا ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھاؤ اس لیے کہ یہ بڑا گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک اس حکم سے ایک عملی دشواری پیدا ہو گئی کہ لوگوں نے یتیموں کا کھانا پکانا بالکل الگ کر دیا۔ بعض اوقات ان کا پس انداز کیا ہوا کھانا بچا رہتا تھا اور اسے یونہی رہنے دیا جاتا تھا اس سے ضیاع کی شکایت عام ہوئی تو باہم ملا جلا کر رکھنے اور مجموعی طور پر ان کی بہتری کا خیال رکھنے کے لیے حکم میں مزید وضاحت کر دی گئی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ: ولا تقربو مال الیتیم الا بالتی ھی احسن[14]

کہ یتیم کے مال کے نزدیک بھی نا جاؤ سوائے اس صورت کے اس میں کوئی بہتری ہو یا اس کا بھلا ہو۔

سرپرست یتیم کے مال کو کب تک اپنے پاس رکھے گا؟

یتیم کے مال کو سرپرست اپنے پاس اس وقت تک رکھے گا جب تک یتیم بالغ نہیں ہو جاتا اور بالغ ہونے کے ساتھ اس میں رشد اور قابلیت کے آثار نظر آجاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا ہے: حتی یبلغ اشدہ فان أنستم منھم رشدا فادفعو الیھم اموالھم[15]

ترجمہ: یہاں تک کہ یتیم بالغ ہو جائے پھر اگر تم ان میں رشد (حکمت و دانائی) دیکھ لو تو ان کے مال انکو واپس کر دو۔

یہاں پر دو قیود لگائی گئی ہیں۔ایک بلوغت کی اور دوسری رشد یعنی دانائی اور حکمت کی۔اشدہ، شد کی جمع ہے جیسے افلس، فلس کی جمع ہے۔یعنی بلوغ اور اس کے بعد پوری سمجھ جب یتیم کو حاصل ہو جائے۔بعض کے نزدیک اشد مفرد ہے جس کا معنی ہے قوتوں کا کمال۔اشد تک پہنچنے کی شرط احترازی نہیں عادی ہے۔[16]

یتیم جب بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ عقلمند اور باشعور ہو جائے تو اسے اس کا مال دے دیا جائے۔ان کے مال کو نا ہی اس سے کمتر مال کے ساتھ تبدیل کیا جائے نا ہی ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھایا جائے۔یتیم جب تک عقلمند نا ہو اسے مال نہیں دیا جائے گا۔بالغ ہونے کے بعد اس کی دانائی کی آخری حد میں علما کے درمیان اختلاف موجود ہے۔

عقلمندی کی آخری حد اور اقوال آئمہ:

چونکہ یتیم کے مال کو اس کے سپرد کرنے کے لیے دو شرائط لگائی گئی ہیں۔بلوغت اور عقلمندی دونوں کا ہونا ضروری ہے۔اس لیے اگر کوئی یتیم بالغ تو ہو جائے لیکن اس میں عقلمندی اور شعور نا آئے تو اس کا مال کب تک اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے۔اس معاملے میں علما کے دو گروہ ہیں۔امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر یتیم کے بالغ ہونے کے با وجود اس میں رشد نہیں آتا اور وہ عقلمند نہیں بنتا تو 25 سال کی عمر میں اس کا مال اس کے حوالہ کر دیا جائے گا چونکہ جتنا بندے نے سیکھنا ہوتا ہے وہ اس عمر سے پہلے پہلے بندہ سیکھ چکا ہوتا ہے اس کے بعد مزید بہتری کا اضافہ ممکن نہیں ہوتا اس لیے 25 سال کی عمر میں یتیم کا سارا مال اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

جبکہ دوسرے موقف کے قائلین میں صاحبین، امام شافعی ہیں ان کے بقول جب تک رشد نہیں آئے گا تب تک یتیم کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔چاہے وہ بوڑھا ہو جائے یا جتنی بھی عمر ہو جائے وہ اپنے سرپرست کی سربراہی میں رہے گا[17]

اگر دور حاضر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس معاملے میں امام اعظم ابو حنیفہ کا موقف ہی درست اور صائب رائے ہے اور اسی کو ہی اختیار کیا جانے چاہیے۔

مال یتیم کو کیسے خرچ کیا جائے؟

مال یتیم کو اگر خرچ کیا جائے تو وہ ختم ہو جائے گا تو اسلام کیا مال یتیم کو ختم کرنے کے درپے ہے؟ مال یتیم کو اگر اگے بڑھایا نا جائے یا کسی ایسی جگہ پر نا لگایا جائے جس سے اس میں بڑھوتری ہو تو وہ لا محالہ ختم ہو جائے گا۔اس مسئلہ کے حل کے لیے شریعت نے ہمیں راہنمائی فراہم کی ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں لکھا ہوا ہے کہ مندرجہ بالا سورہ نساء کی آیت کے مطابق یتیم کا اصل مال خرچ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے کسی تجارت میں یا کسی ایسی جگہ لگانا چاہیے جہاں پر اس میں بڑھوتری ہوتی رہے۔اگر ایسا کیا جائے گا تو یتیم کا مال محفوظ بھی رہے گا اور اس میں اضافہ بھی ہو گا۔[18]

خلاصہ بحث:

یتیم کے سرپرست کے حوالے سے کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے کہ کون سرپرست بنایا جایا گا۔ اگر دادا موجود ہو تو سرپرست وہی بنے گا کیونکہ جتنی نگہداشت وہ کر سکتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا جیسا کہ ہمیں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے داد احضرت عبدالمطلبؓ کا کردار ہمیں نظر آتا ہے۔ اگر دادا موجود نا ہو تو پھر چچا کو سرپرست مقرر کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو طالبؓ کا اسوہ ہمیں نظر آتا ہے۔ اگر چچا موجود نا ہو تو پھر کسی بھی قریبی رشتہ دار کو یہ ذمہ داری دی جاسکتی۔ اگر کوئی قریبی رشتہ دار یہ ذمہ داری قبول نا کر رہا ہو تو پھر معاشرے میں موجود درد دل رکھنے والے کسی بھی شخص کو یہ کام سونپا جاسکتا۔ اور اگر معاشرے کا کوئی فرد بھی اس کام کی طرف رغبت کر رہا ہو تو پھر حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ یتیم کے جان و مال کی محافظ بنے اور اس کو ایسے کام میں صرف کرے جہاں اس کو فائدہ ہو۔ سرپرست کو بہت سی مبشرات سے نوازا گیا ہے ،اس کے اعزاز و اکرام کا خیال رکھا گیا ہے اور کچھ ادارے ایسے بھی ہیں جب تک سرپرست موجود نا ہو وہ یتیم کی کفالت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اگرچہ ان کا یتیم کے سرمائے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تاہم سرپرست کی اہمیت سے ان کو بھی انکار نہیں ہے۔ چونکہ یتیم کی اعانت کرنا فضل ربانی حاصل کرنے کا ایک نادر موقع ہے لیکن اس کے ساتھ یہ حد درجہ احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ یتیم پر ظلم و عدوان کرنا، کسی قسم کی تعدی کرنا یا اس کا مال ہتھیانا کسی صورت بھی جائز نہیں بلکہ اس کے ساتھ تو حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ یتیم کا سرپرست اگر غنی ہے تو اس کے لیے اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر سرپرست تنگدست ہے تو اتنا استعمال کر سکتا ہے جتنا کسی کے مال کی نگہداشت کرتے ہوئے مزدوری لی جاتی ہے۔ یتیم کے مال کو اگر ہاتھ ہی نا لگایا جائے تو وہ اپنی وقعت کھو دے گا اس لیے اسے ایسے کام میں لگانا چاہیے جس سے اس میں بڑھوتری آئے۔ یعنی کسی تجارت وغیرہ میں تاکہ وہ بڑھتا رہے۔ یتیم کو مال واپس کرنے کے لیے گواہوں کی موجودگی شرط قرار دی گئی ہے جبکہ اس کے لیے بلوغ اور رشد کی شرط بھی ہے۔ رشد کے بارے میں انتہائی عمر میں اختلاف ہے جس میں موجودہ دور کے اعتبار سے دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہ کی رائے کو صائب قرار دیا جاسکتا ہے۔

سفارشات و تجاویز

1. معاشرے میں یتیموں کے ساتھ رویوں پر لیکچرز کا اہتمام کیا جائے۔
2. یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں یتیموں کو مفت تعلیم کی سہولیات کلی طور پر حاصل ہونی چاہیے۔
3. سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں میں یتیموں کے کوٹے پر عملدرآمد ہونا چاہیے۔

4. یتیموں کے مال کی سرپرستی کرنے والے افراد کو حکومتی مشنری کے ماتحت ہونا چاہیے تاکہ کوئی بھی یتیموں کے مال پر ناجائز قبضہ نا کر سکے۔
5. یتیموں مال اپنی سرپرستی میں لیتے ہوئے اور واپس کرتے ہوئے گواہوں کی موجودگی کو یقینی بنایا جائے۔

حوالہ جات

[1] افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، کراچی، میر محمد کتب خانہ، مادہ ی ت م، ص512

[2] ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی تزویج الصغار

[3] منصور پوری، قاضی سلیمان، رحمت اللعلمین، مکتبہ دیوبند، انڈیا، س ن، ج1، ص33

[4] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذیِ، کتاب الفضائل، باب العم صنوابیہ

[5] https://www.sabatrust.org/1.50/22,10,2022

[6] https://blessedorphancentre.org/3.45/23,10,2022

[7] http://beguminayat.org/10.35/25,10,2022

[8] الاحزاب، 33:3

[9] الضحیٰ، 93:9

[10] الماعون، 106:2

[11] صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالیٰ وآتوا الیتمیٰ اموالھم

[12] النساء، 4:10

[13] النساء، 4:2

[14] الانعام، 6:152

[15] النساء، 4:6

[16] پانی پتی، قاضی ثنااللہ، تفسیر مظہری، جلد2، ص 231

[17] حقانی، عبدالحق، تفسیر حقانی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ج3، ص 34

[18] تفسیر مظہری، سورہ نساء زیر آیت مندرجہ بالا